© rasailojaraid.com

تحریر: الدکتور محمد عجاج الخطیب
ترجمہ: جناب محمد مسعود عبدہٗ

(قسط ۷)

اسماء وصفاتِ باری تعالیٰ
اسماء اللہ الحسنیٰ کے معانی!

۸۔ المھیمن

ھیمن، یھیمن ـــــ یعنی اپنے بندوں کے اعمال پر گواہ بھی، نگہبان بھی اور امین بھی! فھو مھیمن، اسے کہا جاتا ہے جو کسی چیز کی نگہبانی کرے۔ بعض اہلِ لغت نے کہا ہے کہ "مھیمن" اسے کہا جاتا ہے، جو کسی چیز کی حفاظت پوری احتیاط کے ساتھ کرتا ہوا اس پر قائم رہے ـــــ شاعر نے کہا ہے:

الا انّ خیر النّاس بعد نبیّہٖ
مھیمنۃ التالیہ فی العرف والنکر

"اللہ رب العزت کے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بعد لوگوں میں سے بہترین آدمی وہ ہے، جو معروفات ومنکرات کی نگہبانی کرے"
ـــــ یعنی پوری احتیاط کے ساتھ لوگوں کے اعمال پر کڑی نگاہ رکھے (الاسماء والصفات ص ۶۴)

چنانچہ اللہ رب العزت کے "مھیمن" ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار، اطاعت کیش بندوں کی اطاعت اور صلہ کی پوری پوری نگہبانی فرماتا ہے، ان کے اعمال اور ان کے ثواب میں سے کچھ کم نہیں کرتا، زیادہ ثواب اور زیادہ صلہ اسے عاجز نہیں کرسکتا ـــــ وہ اس سلسلہ میں نہ تو مجبور ہے اور نہ ہی بے بس کہ اس بناء پر وہ اپنے بندوں کے بعض اعمال، نیز راہِ حق میں ان کی جدوجہد کو چھپائے ـــــ یہ بات بھی نہیں کہ لوگوں کے کثرتِ اعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسنہ کے سبب ثواب کی کثرت اس کی عطاء و بخشش کے خزانوں پر بار ثابت ہو، اور وہ اس میں بخل کرتے ہوئے ثواب کو کسی حد تک کم کرے۔ پھر اس کی عطاء و بخشش کا انحصار کسی سے "مانگ" پر بھی نہیں، بلکہ اس کی اپنی ذات مختار ہے، وہ خود ہی صاحب عطاء و بخشش اور صاحب جود و سخاو کرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نیکیوں کا ثواب کئی گنا بڑھا کر دیتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے مطیع بندوں کی نیکیوں میں کوئی کمی نہیں کرتا، اسی طرح وہ سرکش و گنہگار لوگوں کے جرائم کو بڑھاتا بھی نہیں تاکہ اس سے زیادہ عذاب انہیں دے، جس قدر عذاب کے وہ مستحق ہیں۔ اس کی ذاتِ پاک ظلم و کذب سے مبرا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزّت نے گناہگاروں کے عذاب کو "جزاء" سے موسوم کیا ہے۔ مقصد یہ کہ مجرم کو اسی قدر بدلہ ملے، جس قدر کہ اس نے جرم کیا ہے!

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) ارشادِ باری تعالیٰ "مھیمناً علیہ" کی تفسیر "مؤتمناً علیہ" (ان پر محافظ) سے کرتے ہیں۔ نیز فرمایا ہے، "مھیمن" "امین" کے معنوں میں ہے[۱] یعنی ایسا محافظ، جو ساتھ ہی ساتھ امین بھی ہو —— حقیقت یہ ہے کہ اس ضمن میں اس قسم کی جتنی صفات بھی سما سکتی ہیں، وہ تمام کی تمام اپنے کمال کے ساتھ، نیز اس کے جلال و اکرام اور عظمتِ سلطانی کے قطعاً لائق، اس لفظِ "مھیمن" کا جزوِ لاینفک ہیں۔ چنانچہ "اپنے بندوں کے اعمال پر گواہ، ان پر نگہبان، ثواب و عقاب کے لحاظ سے بندوں کے حساب میں امین، ان پر نگہبانی رکھنے والا، ان کے امور کی دیکھ بھال کرنے والا اور ان کا محافظ" —— یہ سب معانی اس لفظ کو شامل ہیں۔

۹۔ العزیز

عزیز، یعنی غالب و قوی ذات، ناقابلِ تسخیر قوت۔ جس پر کوئی دوسرا غالب نہ آسکے، بلکہ وہی سب پر غالب و قاہر ہو اور جس کے سامنے کوئی دوسرا صاحبِ عزت و عظمت دم نہ مار سکے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "عزیز" کے معنی ہیں، جس کی کوئی نظیر نہ ہو —— انتہائی عزّت کا

---

[۱] دیکھئے "الاسماء والصفات" ص ۶۳، ۶۴۔ تحفۃ الاحوذی ج ۹ ص ۴۸۳۔ فتح القدیر ج ۵ ص ۲۰۷، ۲۰۸
مختصر تفسیر ابنِ کثیر ج ۲ ص ۴۷۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالک، جب کہ "عزت" اصل میں قوت و شدت و غلبہ کا نام ہے، اور کبھی اس کے معنی "نفاستِ قدر" کے بھی ہوتے ہیں —— عزّ، یَعِزُّ (ع مکسور کے ساتھ) ہو تو اس سے مراد یہ ہو گی کہ عزت کے لحاظ سے کوئی بھی دوسرا اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ اور عزّ یَعَزُّ (ع کے فتحہ کے ساتھ) ہو تو اس سے مذکورہ تمام صفات کا استحکام مراد ہو گا —— قرآنِ مجید میں ہے:

"وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔"

"وہ ناقابلِ تسخیر قوت، بے مثال حکمت والا ہے!"

"عزیز" لسانِ عرب میں عزّت سے ہے، جس کے معنی "صلابت" کے ہیں۔ چنانچہ جب "عزیز" کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہو تو اس سے مراد وہ ذات ہے، جس میں کوئی تغیّر و تبدل نہ ہو اور جس کی قدرت و قوت ہمیشہ قائم رہے، بخلاف مخلوقات کے کہ وہ تغیر و تبدل سے دوچار ہوتی رہتی ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر پر یہ آیت تلاوت کی:

"وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ الآیۃ!" (الزّمر: ۶۷)

"انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہٗ قدر نہ کی، حالانکہ ساری زمین روزِ قیامت اس کی مٹھی میں ہو گی!"

آپؐ بیان فرماتے ہیں:

"فجعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: ھٰکذا یمجّد نفسہ، انا العزیز، انا الجبّار، انا المتکبّر فرجف بہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) المنبر حتیٰ قلنا لتخرّنّ بہ الارض۔"[1]

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہنا شروع کیا، اللہ رب العزت اسی طرح اپنی تمجید بیان فرمائیں گے: میں عزیز ہوں، میں جبار ہوں، میں متکبر ہوں —— یہ الفاظ آپؐ نے اس قدر جوش سے کہے کہ منبر کانپنے لگا، یہاں تک کہ ہم

---

[1] الاسماء والصفات صد ۳۴، صحیح بخاری ج ۹ ص ۲۰۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے کہنا شروع کیا، آپؐ منبر کے ساتھ زمین پر گر پڑیں گے۔"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"اعوذ بعزّة الّذی لا الٰہ الّا انت الّذی لا یموت و الجنّ والانس یموتون" [1]

"(اے اللہ!) میں تیری عزت کے ساتھ تیری پناہ کا طالب ہوں، تو وہ ذات ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ ذات کہ جس پر کبھی موت نہیں آئے گی، جبکہ جنّ وانس سب مر جائیں گے"!

مختصر یہ کہ الفاظ اس کے مقامِ عزت کی ترجمانی سے قاصر ہیں —— بس یوں سمجھ لیجئے کہ اس کا تصورِ عزت تمام ترکدورات و نقائص سے منزہ ہے!

۱۰۔ الجبّار

صاحبِ جبروت ہونا اللہ تعالیٰ کی عظمت ہے۔ عرب قدیم زمانے میں "الملک الجبّار" نام رکھا کرتے تھے —— حدیثِ صحیح میں ہے:

"والعظمة ازاری، والکبریاء ردائی، فمن نازعنی واحداً منهما عذّبته"! (صحیح مسلم وغیرہ — دیکھئے، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۶۲، مختصر تفسیر ابنِ کثیر ج ۳، ص ۴۷۹)

"(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) عظمت میرا ازار ہے اور کبریائی میری چادر ہے۔ جو کوئی ان میں سے کوئی ایک چیز بھی مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا، میں اسے عذاب دوں گا۔"

بعض علماء نے کہا ہے، جبّار وہ ہے، جو مخلوق کو جبراً (اپنی مرضی سے) جیسا چاہے، پیدا کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کر لیتے ہیں، تو وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے —— اور چونکہ اس کے ارادے کا خلاف، اس کے برعکس یا اس میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا، لہٰذا اس سے جبر و اکراہ کا ایک تاثر ملتا ہے —— اللہ سبحانہ وتعالیٰ

---

[1] صحیح بخاری ج ۹ ص ۲۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ارشاد ہے:

"ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ" (حمٓ السجدۃ: ۱۱)

"پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی، اور وہ دھواں تھا، تو اس سے اور زمین سے فرمایا: دونوں آؤ، خوشی سے یا ناخوشی سے! انہوں نے کہا، ہم خوشی سے آتے ہیں!"

بعض علماء نے کہا ہے، "جبّار" "جبر" سے ہے — جب فقیر کو غنی کر دے، کسی بڑے کی اصلاح کر دے یا مخلوق کے اسباب معاش ورزق میں تفاوت پیدا کر دے، تو اس فعل کو جبر کہا جائے گا — امام طبری کہتے ہیں:

"جبّار" وہ ہے، جو اپنی مخلوق کے امور کی اصلاح کرے، ان میں ایسا تصرف کرے، جس سے ان کی اصلاح مقصود ہو۔"

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد عالی (بلند رتبہ) ہونا اور مخلوق پر فائق ہونا ہے — یعنی وہ ذات کہ جو مخلوق سے متاثر نہ ہو اور اپنی مخلوق میں اپنا اختیار استعمال کرنے پر قادر ہو۔ چنانچہ "جبّار" کی تشریح میں علماء نے ایک مثال کھجور کے اس درخت کی دی ہے جو اس قدر بلند ہو کہ اس کی چوٹی پر کسی کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں [1]

(جاری ہے)

---

[1] دیکھئے، تحفۃ الاحوذی ج ۹ ص ۴۸۳، الاسماء والصفات ص ۳۱، مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۰۸۔

● ڈاک کی تعمیل میں سخت دقت پیش آنے کی بناء پر تمام پتہ جات از سرِ نو لکھ کر ان کے ساتھ حوالہ نمبر (مثلاً ۵۴۵-خ، ۴۱۶، ۱۳-۱) کا التزام کیا گیا ہے۔

آپ کے نام آنے والے رسالہ کے باہر لفافہ پر پتہ کی پٹی میں یہ نمبر موجود ہے، براہِ کرم خط وکتابت کرتے وقت اس کا حوالہ ضرور دیں، ورنہ تعمیل ممکن نہ ہو گی۔

© rasailojaraid.com